تشدّد

تاریخی تناظر میں

غالب احمد

مشعل

تشدّد

تاریخی تناظر میں

غالب احمد

مشعل
آر۔ بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور 54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱-	ابتدائیہ	۵
۲-	تشدد اور جدید نفسیات	۱۵
۳-	تشدد کی نوعیت اور اس کے اجزائے ترکیبی	۳۵
۴-	انفرادی تشدد کے چند اہم پہلو اور اقسام	۴۷
۵-	تشدد کا اجتماعی پہلو اور اس کے تین روپ	۹۶
۶-	تشدد کا عالمی پس منظر	۱۰۰
۷-	تشدد اور جنوبی ایشیا	۱۱۴
۸-	تشدد کی کہانی پاکستان کی زبانی	۱۲۱
۹-	موجودہ سنگین صورت حال	۱۵۷
۱۰-	مستقبل کی امیدیں اور اندیشے	۱۷۰
۱۱-	کتابیات	۱۷۹

MashalBooks.org

ابتدائیہ

انسانی زندگی کے کسی پہلو کا بھی مطالعہ اگر معاشرتی، علمی اور معروضی سطح پر کرنا مقصود ہو تو یہ کام کسی قدر مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ آپ کو جدید علوم کی روشنی میں مختلف اطراف کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔ افراد کی زندگیوں سے لے کر خاندان اور قبیلے تک پھر لسانی اور علاقائی حد بندیوں سے آگے ملک وقوم اور تمام انسانی معاشرے تک بات جا پہنچتی ہے اور پھر جدید دور میں مختلف علوم کی اپنی اپنی شیرازہ بندیاں ہیں اور مختلف مدرسہ ہائے فکر ونظر ہیں۔ ایک طرف نفسیات، عمرانیات، معاشیات اور دیگر معاشرتی علوم کے دائرہ کار اور دوسری طرف طبعی علوم یعنی طبعیات، فزیالوجی اور نیورالوجی کے ساتھ ساتھ جنیٹکس کے نئے نئے رنگ اور ڈھنگ۔ یہ سب علوم آپ کے مطالعے پر اثر انداز ہونے کا جواز رکھتے ہیں۔ انسانی معاشرتی زندگی کے کسی شعبے یا پہلو کا مطالعہ اور محاسبہ ان علوم کی روشنی کے بغیر کسی طرح بھی مستند قرار نہیں پا سکتا۔

اس کتاب میں ''تشدد'' کا علمی اور تاریخی مطالعہ پیش نظر ہے جس سے ہم اپنے ملکی حالات کا تشدد کے حوالے سے معروضی سطح پر جائزہ لے سکیں گے اور رائے قائم کر سکیں گے کہ تشدد ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ ان مسائل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ''تشدد'' کی ماہیت اور اسکے عناصر کا جائزہ لیں۔ ''تشدد'' سے ہماری مراد کیا ہے؟ عرف عام میں تشدد کسے کہتے ہیں؟ تشدد انسانی زندگی میں کس طرح رونما ہوتا ہے؟ اس کے انفرادی سماجی، نفسیاتی، سیاسی اور تاریخی پہلو کیا کیا ہیں؟ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت کیا رہی ہے۔ ہمارے اس جدید دور میں تشدد کا رجحان کیوں روز بروز بڑھ

رہا ہے۔ تشدد ایک سیلاب یا طوفان کی صورت میں تمام انسانی معاشرے کو کس طرح اپنی مہلک لپیٹ میں لے رہا ہے۔ کیا مشرق اور کیا مغرب، کیا شمال اور کیا جنوب، تمام اکناف عالم میں تشدد ایک سنگین وبا کی طرح پھوٹ پڑا ہے۔ تشدد مختلف شکلوں اور رنگوں میں ہیجان اضطراب، تشویش، دکھ، اذیت، اشتعال، ہنگامہ آرائی، جرائم، دہشت گردی اور خونریزی کو پھیلاتے ہوئے نت نئے مسائل اور مہلک وسائل کے ساتھ ہماری معاشرتی زندگی پر مسلط ہوتا جا رہا ہے۔ شدید ذہنی اور جذباتی دباؤ ہمارے اعصاب پر، انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس حد تک اثر پذیر ہو رہے ہیں کہ ہم قومی سطح پر رفتہ رفتہ مفلوج ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم پر بے حسی کی سی کیفیت طاری ہو رہی ہے۔ جو مہلک اثرات کی حامل ہے۔ ہمارے ملک میں ہر قسم کا تشدد روا رکھا جا رہا ہے۔ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر بھی۔ تشدد جسمانی بھی ہے، لسانی بھی ہے۔ ذرائع ابلاغ میں بھی رونما ہے اور ہماری معاشرتی زندگی میں بھی کارفرما ہے۔ چاہے آپ اسے مذہبی تشدد اور فرقہ واریت اس کا نتیجہ قرار دیں، یا اس کی وجوہات علاقائی، نسلی، قومیت یا کسی اور مخصوص عصبیت کی کرشمہ سازی میں تلاش کریں۔

ہمارے ملک میں ہی تشدد کا دور دورہ نہیں تمام انسانی معاشرے اس وقت تشدد کے عذاب میں مبتلا نظر آ رہے ہیں۔ دہشت گردی، تخریب کاری، جرائم کی کثرت قتل و غارت گری کا بازار ہر سو گرم ہے۔ بڑے بڑے متمدن اور خوشحال ملک جن کو مغربی تہذیب کا نمائندہ قرار دے سکتے ہیں اور جنہیں اپنی اخلاقی اقدار اور تعلیمی معیار پر فخر ہے ''تشدد'' کے ہاتھوں اس طرح مجبور و معذور نظر آتے ہیں کہ انسانی عقل حیرت زدہ رہ جاتی ہے کہ آخر ان ملکوں کے تہذیب یافتہ طبقوں میں کیوں اور کیسے صبر و تحمل کا فقدان ہے۔ منفی رویے، ناروا سلوک، بے صبری، کم حوصلگی، تنگ نظری، ایک دوسرے سے نفرت اور نخوت کا سلوک۔ جرائم کی شرح میں بے حد اضافہ، فراخ دلی اور وسعت قلبی کا مفقود ہو جانا اور چھوٹے چھوٹے اغراض و مقاصد کے لئے سر بازار لوگوں کے جان و مال سے کھیلنا اور شہری حقوق کا پامال کرنا روز مرہ کا معمول بن کر رہ گیا ہے۔ امریکہ، کینیڈا، فرانس اور جرمنی جیسے ملکوں میں جرائم کی شرح جس طرح ہر سال بڑھ رہی ہے، اس کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی آسیب ہے جو ان ملکوں کی معاشرتی زندگی پر سوار ہو گیا ہے اور یہ سب کچھ ان ممالک میں ہو رہا ہے جہاں تعلیم کی شرح تقریباً سو فیصد ہے اور جو بہترین ترقی یافتہ ممالک میں شمار کیے جاتے

ہیں۔ ہمارے جیسے ترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں کی بات تو الگ ہے۔ ہم تو کئی لحاظ سے محرومیوں، مایوسیوں اور غربتوں کا شکار ہیں۔ ہمارے مختلف طبقات کے معاشی اور معاشرتی سطح پر سنگین مسائل ہیں۔ ایک دوسرے سے نفرتیں بھی ہیں اور شکایتیں بھی۔ جن کا اظہار مختلف رنگوں میں ''تشدد'' کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ جو کبھی سیاسی ہوتا ہے اور کبھی مذہبی یا لسانی یا نسلی۔ یا پھر انفرادی سطح پر مختلف جرائم کی شکل میں تشدد کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔

کرہ ارض کے شمال اور مغرب میں یورپی ممالک میں تشدد کا بے محابا فروغ اور بردباری کا فقدان حیرت انگیز ہے۔ ان ممالک کو ٹھنڈے دل و دماغ والے ممالک قرار دیا جاتا ہے۔لیکن انہی ممالک میں انفرادی سطح پر جرائم کے اعداد وشمار میں ہر سال اضافہ اس برق رفتاری سے ہو رہا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مادی زندگی کی تمام آسائشیں میسر ہونے کے باوجود ایک اذیت ناک اضطراب کی صورت رونما ہے۔''خودکشی'' کی شرح ان ممالک میں دوسروں کی نسبت بہت زیادہ ہے اور اس کے ساتھ اخلاقی جرائم کی سطح میں بھی کچھ اس طرح اضافہ ہو رہا ہے کہ تعلیم کے تمام ارفع مقاصد ناکام ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

اب دوسری طرف اگر ہم ان خطوں پر نظر دوڑائیں جن کو ایشیا کے عظیم براعظم میں مذاہب کی آماجگاہ قرار دیا جاتا ہے مثلاً برصغیر پاک و ہند اور جنوب مشرقی ایشیا کے وہ تمام ممالک جن میں بدھ مت اور کنفیوشس کی صلح آشتی والے مذاہب اور ادیان کا زور رہا ہے۔ یہ تمام خطے امن و آشتی اور گیان دھیان کے فروغ کے زبردست داعی رہے ہیں۔ یہاں پر اعلیٰ اخلاقیات پر مبنی مذاہب اور مذہبی اقدار نے ہمیشہ نشوونما اور ترقی پائی۔ کنفیوشس کی تعلیمات ہوں کہ ہندومت بدھ مت کہ عیسائیت یا پھر اسلام اور صوفیا کرام کے سلسلے۔ اسی طرح بڑے بڑے بھگتوں کے نام اور کام، سور داس ہو کہ تلسی داس۔ میرا بائی ہو کہ بابا گرونانک۔ بابا فرید ہوں کہ بلھے شاہ، سچل سرمست ہوں کہ خوش حال خاں خٹک۔ ان سب کے باوجود انہی ملکوں میں یعنی لاؤس سے لے کر برما اور سری لنکا تک اور پھر بنگلہ دیش سے لے کر ہندوستان پاکستان اور افغانستان تک۔تشدد، انفرادی جرائم سے لے کر لسانی، علاقائی، نسلی، مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر ہر جگہ خون کی ہولی کھیلتا دکھائی دیتا ہے۔

پچھلے پچاس ساٹھ سال میں برصغیر پاک و ہند میں تشدد کی سطح خوفناک حد تک اتنی تیزی کے ساتھ بلند ہوئی ہے کہ ہمارے لیے ان سماجی عوامل کا جائزہ لینا ضروری ہو گیا

MashalBooks.org

ہے۔ بے شک ان میں مذہبی رجحانات بھی شامل ہیں اور نفسیاتی وجوہات کا دخل بھی لازمی ہو گا۔ لسانی اور علاقائی گروہ بندیوں اور سیاسی مقاصد کا بھی اپنا اپنا حصہ ہو گا۔ اقتصادی زبوں حالی، آبادی میں بے پناہ اضافہ، تعلیم اور خواندگی کی شرح میں سست روی اور اخلاقی اقدار کی گراوٹ اور ان جیسے اور بھی کئی عوامل شامل ہونگے لیکن اس کے برعکس اگر آپ مغرب میں بوسنیا اور چیچنیا کی مثالیں لیں تو تعلیم اور شرح خواندگی کی شرح تو وہاں ۸۵٪ سے تقریباً سو فیصد تک ہے۔ لیکن مذہبی، لسانی اور نسلی تشدد کی جو قیامت وہاں برپا ہے، اس کے اسباب کا آپ کیسے محاسبہ کریں گے۔ تشدد کرنے والے اور تشدد سہنے والے تمام پڑھے لکھے لوگ ہیں، بہت مہذب اور شائستہ ایک زمانہ ان کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا قائل رہا ہے۔ لیکن وہاں جس درندگی کے ساتھ نسلی تشدد اور غارت گری روا رکھی گئی ہے، اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ انسانی نفسیات میں بعض لاشعوری عناصر اس طرح کارفرما ہوتے ہیں کہ آپ عقلی اور ذہنی سطح پر ان عوامل کا تجزیہ نہیں کر سکتے۔

یورپ سے ذرا وسط ایشیا کے ممالک کی طرف لوٹ آیئے۔ ایران، عراق، فلسطین، اسرائیل، الجزائر، سوڈان اور پھر براعظم افریقہ کے ان گنت غریب چھوٹے ممالک میں تشدد کی لرزہ خیز اور خون آشام فصلیں کاٹی جا رہی ہیں۔ آپ کن کن ممالک کا نام لیں گے۔ برونڈی ہو کہ ذائیر، تنزانیہ ہو کہ روانڈہ یا صومالیہ۔ تمام افریقہ پر تشدد کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔

جنوب میں فلپائن سے لے کر انڈونیشیا، لاؤس، تھائی لینڈ اور برما اور پھر اپنے ہمسایہ ممالک میں سری لنکا اور افغانستان۔ کہاں کہاں کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ ہر قسم کے مہلک ہتھیار استعمال ہو رہے ہیں اور ایک ہی ملک کے باشندے ایک دوسرے کا گلا بے دردی سے کاٹنے میں مصروف ہیں۔ سری لنکا ہی کی مثال لے لیجیے۔ پچھلے بارہ سال میں پچاس ہزار سے زیادہ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے۔ اس ملک کی شرح خواندگی بھی تقریباً سو فیصد ہے۔ ادھر بوسنیا میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام محض نسلی اور مذہبی امتیازات کی خاطر روا رکھا گیا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے جنوب مشرقی علاقوں میں جو پڑھے لکھے خطے شمار ہوتے ہیں، وہیں نسلی اور لسانی تشدد کا بہت زور ہے۔ مرہٹوں اور گجرات کے علاقوں کے علاوہ مدراس تک یہ وبا پھیلی ہوئی ہے۔

پاکستان میں کراچی کا شہر قومی سطح پر ہماری ترقی اور خوشحالی کا مظہر ہے۔ ہمیں اپنے اس شہر پر بجا طور پر فخر بھی رہا ہے۔ یہاں شرح خواندگی اور تعلیم کا معیار دوسرے علاقوں کی نسبت کہیں بہتر ہے۔ لیکن پچھلے کئی سالوں سے درجنوں لوگ اس شہر میں محض لسانی اور نسلی تعصب کی وجہ سے ذبح کیے جاتے ہیں۔ پچھلے دس سالوں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ قتل ہو چکے ہیں اور ابھی تک ہو رہے ہیں۔

کہا تو عموماً یہی جاتا ہے کہ جمہوری معاشروں میں رواداری، فراخ دلی، حوصلہ مندی اور صلح جوئی جیسے جذبوں اور رویوں کا پرورش پانا اور مستحکم ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ لیکن مغربی تہذیب اور مغربی تمدن کے علمبردار اور جمہوری اقدار کے نام پر عالمگیر قیادت اور راہبری کرنے والے ممالک میں سب سے زیادہ پیش پیش جو ملک عظیم ہے وہ تو یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ ہی ہے۔ وہاں کالی چمڑی پر امریکہ کی اکثر ریاستوں میں جو ظالمانہ اور متشددانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے اس کی مثال تو جنوبی افریقہ میں بھی تلاش کرنا ممکن نہیں۔ امریکہ وہ ملک ہے جسے ہم مغربی تہذیب کی آزاد، خودمختار اور جمہوری پیداوار کا نام دیتے ہیں۔ جہاں لوگوں نے از خود برطانیہ کی غلامی سے آزادی حاصل کی اور انسانی ضمیر کی آزادی اور انسانی مساوات کے نام پر ایک جمہوری اور غیر متعصب سیکولر نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ریڈ انڈین اور افریقی نسل کے حبشیوں کے ساتھ سلوک کو اگر آپ ایک طرف بھی رکھ دیں تو دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر اس جمہوری تہذیب کے علمبردار نے جس طرح جنگی مقاصد حاصل کرنے کے لیے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر، چند لمحوں میں لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس طرز عمل کو آپ سنگین تشدد اور بدترین ظلم وستم کے سوا اور کیا نام دے سکتے ہیں۔ انسانی آبادی کو یکسر دو شہروں میں صفحہ ہستی سے مٹا دینا اور نیست و نابود کر دینا اس حکمت عملی کے لیے کس نظام اخلاق اور کس فلسفے سے آپ کوئی بھی تسلی بخش جواز ڈھونڈیں گے اور اگر کوئی دلیل یا جواز اس اقدار کے حق میں پیش بھی کیا جاتا ہے تو پھر انفرادی تشدد ہو کہ اجتماعی، انسان اپنے ضمیر کو تسکین دینے کے لیے شعوری اور لاشعوری طور پر کیا کچھ حیلے بہانے تلاش نہیں کر سکتا۔

یہ تمام مسائل اب انسانی معاشرے کو اس بات کی طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ہمیں ٹھنڈے دل اور پرسکون دماغ سے ''تشدد'' کے نفسیاتی، سماجی اور تاریخی مطالعے کی

MashalBooks.org

طرف دھیان دینا پڑے گا اور اس کے شعوری اور لاشعوری عوامل اور عناصر کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ پاکستان کو وجود میں آئے اب پچاس سال ہو رہے ہیں۔ یہ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں۔ وہ قوم جس کی جڑیں ہزاروں سال پرانی تہذیب میں پیوست ہیں اور جس نے اس زعم میں اپنی آزادی حاصل کی تھی کہ ہمارے پاس ایک مکمل ضابطہ حیات اور لائحہ عمل موجود ہے۔ وہ قوم اس سال (۱۹۹۷ء) میں اپنی پچاس سالہ جوبلی کی تقریبات اور جشن منانے کا خوب جوش و خروش سے اہتمام کر رہی ہے۔ اس موقع پر بہت کچھ لکھا جائے گا، بہت کچھ سوچا جائے گا۔ قومی زندگی کا محاسبہ اس سال ہمارے سامنے مختلف رنگوں میں پیش کیا جائے گا۔ ہم اپنی پچاس سالہ تاریخ کے مختلف پہلو طرح طرح کے ادوار اور اطوار کی شکل میں پیش کریں گے جو قابل فخر بھی ہوں گے اور قابل ستائش بھی اور کہیں نقد و نظر کے رنگ میں تنقید بھی ہوگی اور شاید تنقیص بھی۔ یہ سب کچھ ضرور ہونا بھی چاہئے۔ محاسبے کے لیے حوصلہ مندی ضروری ہے۔ اس لیے اس امر پر بھی غور ہونا چاہئے کہ ہمارے معاشرے میں پچھلے سالوں سے ''تشدد'' نے جو رخ اختیار کیا ہے وہ آخر ہمیں کس سمت میں لے جائے گا۔ ہم بحیثیت قوم اس طرح کے خوفناک تشدد کی روایتوں کو کہاں تک اپنی شخصیت کا حصہ بنا کر سلامتی اور عافیت کے دن گزار سکتے ہیں۔ ہم جو ہر سمت ''تشدد'' کے بیج بو رہے ہیں، کیا ان کی خوفناک فصلیں ہماری آنے والی نسلیں کاٹ کر جینے کے قابل بھی رہ سکیں گی؟ کیا ہماری غلط کاریوں کی وجہ سے ان کی زندگیاں عذاب نہیں بن جائیں گی۔ ابھی سے ہمارے معاشرے کا کیا حال ہو رہا ہے۔ ہمارے اعصاب مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔ انفرادی تشدد سے لے کر لسانی، مذہبی اور علاقائی تعصب اور نفرت کا جس رنگ میں ہم اپنی سماجی اور گروہی زندگی اور روز مرہ کے معمولات میں اظہار کر رہے ہیں اور جن نتائج سے دو چار ہیں، کیا یہ سب کچھ اتنا کافی نہیں کہ ہم سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہماری قومی زندگی میں تشدد کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مربوط حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ یہ حکمت عملی باقاعدہ سوچ بچار کے بغیر تو معرض وجود میں آنے سے رہی۔ اس کے لیے ہمیں سنجیدگی سے کئی سطحوں پر غور وفکر کرنا پڑے گا۔ فکری اور جذباتی سطح پر، قومی اور سیاسی سطح پر ہمیں ایسے ادارے تشکیل دینے پڑیں گے جو اس سلسلہ میں باقاعدہ کام کر کے کچھ ایسے نظریات اور کچھ ایسے تصورات پیش کریں جن پر عمل کر کے ہم زندگی کے اگلے پچاس سال کسی اور نہج پر گزار سکیں۔ ہم مشرقی پاکستان کے المیے

سے سبق سیکھ لیں۔ ہم کراچی کی قیامت پر قابو پا سکیں۔ ہم افغانستان کی بربادی اور تباہی کا مقدور بھر بحیثیت قوم کچھ تو ازالہ اور مداوا کر سکیں۔ ان تجربات سے کچھ سیکھ کر بہتر مستقبل کی تعمیر کے منصوبے بنا سکیں۔ یہ سب کچھ اسی طرح ممکن ہو گا جب سوچنے کے لیے ہمارے پاس ہمت اور حوصلہ ہو گا اور ٹھوس شواہد کی بنا پر قابل عمل حکمت عملی۔ یہ سب تبھی ممکن ہے کہ ہم موجودہ صورت حال کا صحیح طور پر جائزہ لے سکیں۔اس کتاب کے حوالے سے علمی سطح پر کوشش تو یہی ہو گی کہ ہم ''تشدد'' کے بارے میں آپ کے سامنے ایک ایسا مطالعہ پیش کریں جو متوازن ہو اور حقائق پر مبنی ہو۔ تشدد کے اجزائے ترکیبی خاصے پیچیدہ ہیں۔ ان میں شعوری اور لاشعوری جذبوں اور محرکات کا عمل دخل ہونا لازمی امر ہے۔ تشدد کے منفی رویے کیا ہیں۔ تشدد میں کیا کوئی مثبت پہلو بھی پوشیدہ ہوسکتا ہے۔ تشدد کو تربیت اور تعلیم کے بہانے کہاں تک استعمال کیا جاتا ہے اور کامیابی کی کیا شرح ہے۔ تشدد کے سلسلے میں ایک طرف خوف، ڈر، اضطراب، ہیجان، تشویش اور غم و اندوہ اور دکھ درد کے جذبات رونما ہوتے ہیں تو دوسری طرف جذبہ اظہار کے زور پر اشتعال، غصہ، نفرت، بغاوت، غیرت، انتقام اور تباہ کاری اور شکست و ریخت کا عمل برپا کرنا اپنی قوت، ہمت اور توانائی کا دوسروں پر سکہ جمانا۔ یہ تمام عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ پھر ایک طرف خفت، شکست، درماندگی کا احساس تو دوسری طرف غلبہ اور فتح و کامرانی کی سرشاری کے جذبات۔ یہ سب نفسیاتی اور اخلاقی عناصر ہیں جن سے افراد کی زندگیاں اثر انداز ہوتی ہیں اور معاشرے کی تہذیبی اور تمدنی روایتیں نشوونما پاتی ہیں اور ہماری ثقافتی اقدار، اچھی بری جو کچھ بھی ہوں، پروان چڑھتی ہیں۔ اسی طرح انسانی تاریخ کے حوالے سے بھی تشدد کی نفسیات اور اس کے عوامل کو سمجھنا ضروری ہے۔ تاریخ اندھا دھند تو اپنے آپ کو دہراتی نہیں۔ اس میں ایک ارتقائی عمل باقاعدہ جاری ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ کا مطالعہ ہمیں وہ وسائل ضرور مہیا کرتا ہے جو عموماً ہماری حال کی نظر سے کسی حد تک پوشیدہ اور مخفی ہوتے ہیں۔ تاریخ ہمارے لیے ایک ''دریافت کا عمل'' ہوتا ہے جس سے ہم اپنے ماضی کے خزینوں سے بہت کچھ حاصل کر کے حال اور مستقبل کو بہتر طور پر استوار کر سکتے ہیں۔

جدید نفسیات ہمیں تشدد کا انفرادی سطح پر مطالعہ کرنے میں مدد پہنچائے گی۔ اسی طرح تاریخ اور عمرانیات اور کسی حد تک علم الانسان ہمیں تشدد کے سماجی اور اجتماعی عوامل کا

شعور حاصل کرنے میں مد و معاون ثابت ہوں گے۔ کیونکہ تشدد کی انفرادی شکل کے علاوہ اس کی ہیبت ناک جلوہ گری تو اب نسلی، علاقائی اور قومی تشدد کی صورت میں ہونے لگی ہے اور یہ سلسلہ اس قدر مہلک اور خطرناک ہوتا جا رہا ہے کہ اب انسان کا اجتماعی شعور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اس قیامت خیز وبا پر کیسے قابو پایا جا سکے گا۔ انسانی زندگی کی بقا کے لیے اب یہ ضروری ہے کہ ہم بیدار مغزی سے تشدد کے عوامل پر غور کریں۔

محض طاقت اور جبر کے زور پر اپنے مفادات کے حصول کی روش جدید انسان کو بحالت مجبوری چھوڑنا پڑے گی۔ کیونکہ طاقت اور تشدد کا استعمال اتنا ''مقبول عام'' ہو گیا ہے کہ اب یہ ''خواص'' کی اجارہ داری نہیں رہا۔ اگر تشدد کا رنگ جارحانہ رہے گا تو اس کے جواب میں اس کی ایک شکل مدافعانہ اور دفاعی بھی اتنی ہی شدت کے ساتھ موجود رہے گی۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ''جوڑے'' میں جن سے چھٹکارا حاصل کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ''تشدد محض'' سے نجات حاصل کی جائے۔ نہیں تو تشدد کا جواب تشدد سے ضرور ملتا رہے گا اور تشدد کرنے والا تشدد سہنے والا کا نشانہ بھی ضرور بنے گا۔ دیر ہو یا سویر گالی کا جواب گالی سے اور گولی کا جواب گولی سے ضرور ملے گا۔ جب تک ہم ایسا معاشرہ تشکیل نہ دیں جس کی اقدار کی سمت ہی کچھ اور ہو اور انسانی زندگی کی تخلیقی قوتوں کے ذریعہ اظہار کا پیش منظر ہی بدل دیا جائے۔ یہ باتیں تو بہت دور کی ہیں جن کی طرف اس کتاب کے آخر میں شاید کچھ اشارات بھی پیش کیے جا سکیں۔ لیکن اس مطالعے کا اصل مقصد تو محض یہ ہے کہ ہم تشدد کا ایک ایسا جائزہ پیش کر سکیں جو تشدد کی دو دھاری تلوار کی تباہ کاری آپ کے سامنے پیش کر سکے۔ طاقتور طبقے تشدد کو اپنے زور بازو سے استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں اور دوسری طرف ناتواں، مفلس طبقات مزاحمت اور مدافعت کے ہاتھوں بے بسی کے عالم میں مانگے تانگے کے ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اسی طرح تشدد کی یہ تجارت کھلے بندوں ''کھلی منڈی'' میں عالم گیر ''انسانی گاؤں'' میں جاری و ساری ہے۔ کرہ ارض سمٹ کر تشدد کے آہنی پنجوں میں اس طرح جکڑا ہوا نظر آ رہا ہے کہ ایک ''محور'' کے گرد چکر لگاتے لگاتے اس کا سانس رکنے لگا ہے۔

دیکھئے نفسیات تو ہمیں یہ سبق بھی سکھاتی ہے کہ تشدد صرف ایک فرد دوسرے فرد پر نہیں کرتا۔ اذیت کوشی اور اذیت طلبی کے کئی نفسیاتی پہلو ہیں۔ بعض افراد اور بعض

معاشرے ذہنی اور جذباتی طور پر اتنے بیمار ہو جاتے ہیں کہ وہ ''اذیت طلب'' بن کر جی رہے ہوتے ہیں۔ وہ لاشعوری طور پر اذیت اور تشدد برداشت کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ انسان تشدد صرف دوسرے انسان پر ہی نہیں کرتا بعض اوقات وہ اپنے تشدد کا نشانہ خود اپنی ذات کو بنالیتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو حالات کے زیر اثر ''خودکشی'' یا ''خودسوزی'' کی سطح پر لے آتا ہے تو وہ درحقیقت ایک تشدد سے رہائی پانے کے لیے مدافعانہ رنگ میں اپنے آپ پر تشدد کو نہ صرف جائز سمجھتا ہے بلکہ ضروری گردان کر اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتا ہے۔ وہ تشدد سے نجات پانے کے لیے تشدد کو بروئے کار لا رہا ہوتا ہے۔ خود کو تباہ کرنا انسان کے خواص میں شامل ہے۔ تو پھر ہمیں سوچنا پڑے گا کہ اس دور میں عالمگیر سطح پر تشدد کا جو خوں ریز سیلاب آیا ہوا ہے کیا یہ ایک سطح پر انسان اپنے ہاتھوں سے اپنے معاشرے اور اپنی زندگی کو خودکشی کی طرف تو نہیں دھکیل رہا۔ یہ ''لاحاصلی'' اور ''بے معنویت'' کے لوازم میں تو شامل نہیں کہ جب انسانی رشتوں کی اساس محض زندگی کے دن پورے کرنے ہوں تو پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ آدمی خود ان دنوں کی مالا کے دانے گنتے گنتے اپنے ہاتھوں سے ہی زندگی کی مالا کو مسل دیتا ہے۔ ''انسانی زندگی کو ہونا بھی چاہیے یا نہیں؟ دراصل سوال تو یہی ہے۔'' اور جب زندگی بے مقصد اور بے معنی نظر آئے اور جب مادی اقدار معاشرے کی اخلاقی اور روحانی اقدار کے ساتھ تمام روابط منقطع کر لیں تو تشدد کی شکل انفرادی ہو کہ اجتماعی ہر دو صورتوں میں تباہ کن ہی ثابت ہو گی۔

انسانی نفسیات میں ''تشدد'' کا مطالعہ باقاعدہ ایک علیحدہ علمی مکتبے یا مدرسہ فکر کی صورت میں تو ابھی تک ہوا نہیں لیکن سماجی نفسیات اور امراضی نفسیات اور اسی طرح بچوں کی پرورش سے متعلق بعض نفسیاتی مدرسہ ہائے فکر میں تشدد، جبر، اشتعال انگیزی اور جرائم کے سلسلے میں ایسے مطالعے ضرور ہیں جن سے ہم اس کتاب میں ضرور مدد لیں گے۔ تاکہ تشدد کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ وقیع ہو سکیں۔ تحلیل نفسی والوں کے ہاں انسانی نفس کے مبادیات کے بارے میں جو مفید اطلاعات ہیں ان سے بھی ضرور فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اس کے ساتھ دوسرے معاشرتی علوم یعنی سوشیالوجی اور علم الانسان کے شعبوں سے بھی کسی حد تک رہنمائی حاصل کریں گے۔ انسان کی ابتدائی زندگی جو جنگلوں اور غاروں میں بسر ہوئی اس میں بھی تشدد کے عوامل پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ اس طرح تمدن اور تہذیب کے جو

MashalBooks.org

مختلف ادوار انسان کی اجتماعی زندگی میں آئے اس کی تاریخ، ادب، ثقافت اور دیو مالا سے بھی استفادہ کرنا ضروری ہو گا تاکہ انسان کے اجتماعی شعور اور لاشعور کے عوامل سے بھی ہم شناسا ہو سکیں۔ بہرحال ہماری یہ علمی کاوش بے شک ابتدائی نوعیت کی ہے اور ہمیں ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ ہم خاطر خواہ علمی وسائل کو اس طرح جمع کر سکیں کہ ''تشدد'' کے موضوع پر کوئی مبسوط علمی مطالعہ آپ کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکیں۔ لیکن اتنا اعتماد اور بھروسہ ہمیں ضرور ہے کہ یہ عاجزانہ کوشش محض سعی رائیگاں نہیں ہو گی۔ بہت سے پہلو اس کتاب میں ایسے ضرور دیکھیں گے جس سے اس موضوع پر ایک مفید بحث کا آغاز ہو گا۔ ''گر قبول افتدز ہے عزو شرف!''

غالب احمد

۲۷ فروری، ۱۹۹۷ء

MashalBooks.org

تشدد اور جدید نفسیات

جس طرح سقراط، افلاطون اور ارسطو کا زمانہ یونانی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ یورپ اور پھر تمام دنیا کی تاریخ اور فلسفے میں نہایت اہم دور قرار پاتا ہے، اسی طرح ہم پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انیسویں صدی علوم جدیدہ کی ترقی اور نشوونما میں حیرت انگیز طور پر انسانی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس صدی میں طبعی علوم کے علاوہ معاشرتی علوم نے بھی تاریخ ساز رفعتیں حاصل کیں۔ ڈارون، فرائڈ، کارل مارکس، نیٹشے، آئن سٹائن اور اقبال نے اپنے اپنے علمی میدانوں میں نئے افق اور نئے مدار دریافت کیے اور نئے نظریات کو تحقیق اور مشاہدے کی روشنی میں پرکھنے کی جرات عطا کی۔

جدید نفسیات نے انسانی رویوں کے معاملے میں تجربے، مشاہدے اور تجزیے کے استعمال کو لازمی قرار دیا۔ سائنسی رویے کی کسوٹی پر انسانی نفس کے عوامل کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول مرتب کیے۔ نفسیات نے ہمیں یہ سبق دیا کہ ہم دشمنی، محبت، نفرت، خوف، دہشت، رقابت، رفاقت، ہمدردی، ظلم، ندامت، پشیمانی اور ملامت جیسے جذبوں اور رویوں کے بارے میں جب علم اور سائنس کی سطح پر بات کریں تو ہمارے سامنے ایک ایسی کسوٹی ہونی چاہئے کہ ان جذبوں کے مبادیات اور جزویات کا تجزیہ کرتے ہوئے نفسیات کے اصول یکساں طور پر چسپاں کیے جاسکیں اور ہمیں علمی سطح پر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان جذبوں کی افراط اور تفریط سے انسانی عمل اور انسانی شخصیت اور نفس پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کس جذبے کی کس نوعیت کو اور کس خاصیت کو آپ ایک عام صحت مند فرد کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور وہی جذبہ اگر ایک خاص حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو آپ اس کو ''غیر معمولی'' قرار دیں گے یا غیر صحت مندانہ گردانیں گے؟ معاشرے میں صحت مند فرد کا طرز عمل کیا ہوگا اور مریض یا مریضانہ ذہنیت رکھنے والا شخص کس طرح کا ردعمل دکھائے گا؟

اب یہاں ''تشدد'' کے مسئلے کو ہی آپ پیش نظر رکھ لیں۔ پہلے تو ''تشدد'' کی آپ کو کوئی ''تعریف'' تجویز کرنا پڑے گی۔ ہم کسے تشدد کہتے ہیں؟ آیا تشدد کسی ایسے عملی اظہار کا دوسرا نام ہے جس سے تشدد کرنے والا شخص اپنے عمل سے غیر معمولی طور پر کسی دوسرے فرد یا افراد کو ''اذیت'' ذہنی ہو یا جسمانی یا اخلاقی اور روحانی یا پھر وہ مادی سطح پر کوئی نقصان پہنچانے والی کیفیت ہو۔ تشدد کے زمرے میں ہر وہ طرز عمل یا طرز سخن آ جائے گا جس سے دوسرے افراد یا ایک واحد شخص معروضی سطح پر اپنے آپ کو معمول سے زیادہ اذیت یا دکھ اور درد کی کیفیت میں مبتلا محسوس کرتا ہے۔ وہ چاہے محض سخت کلامی یا بدکلامی ہی ہو یا کوئی ایسا فعل جس سے انسانی نفس کو ایسی ٹھیس لگے جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہوئی ہو۔ چاہے وہ ٹھیس ذہنی ہو یا جذباتی یا جسمانی اور مادی۔ آپ اسے جب ایسی اذیت میں مبتلا کرتے ہیں جو معمولات زندگی سے ہٹ کر ہے تو آپ کا رویہ متشددانہ ہو جاتا ہے اور جب اس میں ایسی شدت یا شدید رنگ پیدا ہو جاتا ہے جس سے دوسرا انسان اپنے آپ کو کسی حد تک مجروح سمجھتا ہے اور اپنے لیے نقصان دہ قرار دیتا ہے تو عرف عام میں اس فعل کو تشدد ہی قرار دیا جائے گا۔ یہ تو ایک روز مرہ کا استعمال ہو گیا کہ ہم ہر اس حرکت یا فعل کو تشدد کے زمرے میں شامل کریں گے جس نے دوسرے انسان یا فرد پر اس طرح نفسیاتی اعتبار سے اثر کیا ہے کہ وہ غیر معمولی ہیجان یا اذیت یا تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ یا اس پر خوف اور غم کی کیفیت طاری ہو گئی اور یا اس کے بالکل برعکس وہ بھی طیش، اشتعال اور غصے کے جذبے سے دو چار ہو گیا۔ ایسا فعل ''تشدد'' ہی کہلائے گا۔ لیکن اس تعریف کو ہم بہرحال اس وقت تک جامع قرار نہیں دے سکتے جب تک ہم نفسیات کے مروجہ اصولوں اور نظریوں کو ''تشدد'' کے اجزائے ترکیبی کے تجزیئے کے لیے خاطر خواہ حد تک استعمال کر کے نہ دیکھ لیں۔

تشدد بھی ایک بنیادی انسانی رویہ ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے انسانی تاریخ کا اور انسانی نفسیات کا ہمیں اس رنگ میں مطالعہ کرنا ہو گا کہ ہم معاشرے کی ابتدائی تشکیل کے ساتھ تشدد کے اجزائے ترکیبی کا بھی جائزہ لے سکیں اور ان اسباب کا بھی بغور مطالعہ کر سکیں جن سے انسانی معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر ''تشدد'' کی پرورش اور نشو و نما ہوئی اور کس طرح یہ ارتقا کی منازل طے کرتے ہوئے موجودہ دور تک آ پہنچا ہے کہ اب یوں دکھائی دیتا ہے کہ تشدد کے سیلاب کے سامنے بند باندھنا بہت ہی کٹھن ہو گیا ہے۔ یوں لگتا

MashalBooks.org